دعوت الی اللہ میں حکمت سے کام لیں۔
خدمت خلق اور دعوت الی اللہ کو الگ الگ رکھیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ مارچ ۱۹۹۲ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُونَ صٰبِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٦﴾ الْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿٦٧﴾ (الانفال: ۶۶-۶۷)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں نے آیات پڑھے بغیر جن آیات کا حوالہ دیا تھا اُن سے متعلق ایک سوال آیا ہے۔ کسی نے یہ توجہ دلائی ہے کہ ابتداء میں خود اللہ تعالیٰ نے نرمی فرماتے ہوئے نسبت کو ہلکا رکھ دیا اور ایک مومن کے مقابل پر دو کفار کی نسبت قائم فرمائی اور بعد ازاں اس نسبت کو بڑھا کر ایک اور دس کی نسبت بنا دیا لیکن قرآن کریم میں پہلے ایک اور دس کی نسبت کا ذکر آتا ہے اور بعد میں ایک اور دو کی

نسبت کا۔ چنانچہ ان آیات کی تلاوت میں نے اسی غرض سے کی ہے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اگر چہ پہلے ایک اور دس کی نسبت کا ہی ذکر ہے لیکن ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ بعد کی بات ہے۔

پہلے بیان کرنے میں ایک حکمت ہے میں اسی کی طرف ابھی آپ کی توجہ دلاؤں گا۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی۔ مومنوں کو قتال کی تحریص دلا۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ایسے ہوں تو وہ ایک ہزار پر غالب آجائیں گے۔ کن لوگوں پر؟ اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں، نا سمجھ لوگ ہیں۔ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ لیکن سردست اللہ تعالیٰ تم سے رعایت کا سلوک فرماتا ہے۔ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا اور جانتا ہے کہ ابھی تم میں کچھ کمزوری ہے۔ پس اب یہ دستور ہے کہ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ۔ اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوئے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار صبر کرنے والے ہوئے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ پس ان آیات کے ترجمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابتداء میں کمزوری کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن جیسا کہ میں نے متوجہ کیا تھا اس سے مراد نعوذ باللہ ایمان یا صلاحیتوں کی کمزوری نہیں بلکہ پہلے ایک اور دس کی نسبت کا ذکر فرمانا یہ بات بتا رہا ہے کہ اس نسبت کا حقیقی اور سچا اطلاق حضرت محمد ﷺ اور آپ کے متبعین پر ہوتا ہے اور آپ کی برکت سے بعد میں جب اسلام میں مزید طاقتیں پیدا ہو جائیں گی، رعب بڑھ جائے گا، اقتصادی کمزوریاں دور ہو جائیں گی، ہتھیاروں کی کمزوریاں دور ہو جائیں گی تو وہ جو ہر محمد ﷺ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الاعراف: ۶۵) اور ان لوگوں میں جو آپ کے ساتھ ہیں پوری طرح چمکے گا اور ایک کو دس پر غلبہ نصیب ہونے کا دور بھی شروع ہو جائے گا۔

جہاں تک دلیل کا تعلق ہے یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم اس موقعہ پر یہ دلیل دیتا ہے کہ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ حقیقت میں اپنے پورے مقصد کا ادراک، اُس کی گہری سمجھ اور اس پر پورا یقین ہے جو غیر معمولی طاقت پیدا کرتا ہے اور جس شخص کو اپنے مقصد کا کوئی ادراک نہ ہو، سمجھ نہ ہو کہ میں کیوں یہ کام کر رہا ہوں، وہ طاقت ور ہوتے ہوئے بھی اندرونی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔ پس ایک بہت ہی عظیم الشان نفسیاتی حکمت کی طرف متوجہ فرمایا گیا

ہے۔فرمایا مومن اور صبر کرنے والا مومن وہ ہے جسے اپنے مقصد پر اتنا کامل یقین ہے اور اتنی گہرائی سے اس کو سمجھتا ہے کہ تکلیف اُٹھاتے ہوئے بھی وہ اُس صبر پر قائم رہتا ہے اور صبر کا مقصد کے فہم سے گہرا تعلق ہے۔ جب انسان پر تکلیف وارد ہوتی ہے تو اس وقت اس کا مقصد دوبارہ اُس کے سامنے آتا ہے یعنی ظاہری طور پر باشعور طور پر اُس کے سامنے اُبھرتا ہے اور دوبارہ وہ اپنے مقصد کو کھنگالتا ہے اور اس وقت وہ دیکھتا ہے کہ ہاں یہ مقصد اس لائق ہے بھی یا نہیں کہ میں اس کی خاطر جان دوں اور اس کی خاطر قربانیاں پیش کروں۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی حقیقت ہے جس میں کوئی استثنٰی نہیں۔ مذہبی قومیں ہوں یا غیر مذہبی قومیں ہوں ان کی تاریخ میں ہمیشہ ایسے صبر آزما وقت آتے ہیں جن میں مقصد پر یقین سب سے نمایاں کردار ادا کرتا ہے اور اگر اس موقع پر انسان اپنے ذہن میں یا سپاہی اپنے ذہن میں مقصد کو کھنگال کر سمجھیں کہ یہ تو بے مقصد لڑائی ہے، بے فائدہ لڑائی ہے تو وہ اپنے ہتھیار پھینک دیتے ہیں، دل چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ عظیم ثانی میں خصوصیت سے جرمن قوم نے اس حربے کو اپنے مدمقابل پر استعمال کیا اور پروپیگنڈا کے ذریعہ جسے وہ Fifth Column کہتے تھے، مقصد سے تعلق کاٹنے کی کوشش کی جاتی تھی اور مقصد کو اجنبی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی اور مقصد کو باطل اور بے معنی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں کثرت سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا تھا کہ تم کن کی خاطر لڑ رہے ہو وہ لوگ جنہوں نے تمہیں اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ کس قوم کی خاطر؟ کیا اپنی غلامی کو ہمیشگی بخشنے کے لئے تم یہ قربانیاں دے رہے ہو۔ اس قسم کی باتیں قہوہ خانوں میں ہر جگہ ہوا کرتی تھیں۔

تو دیکھیں قرآن کریم نے کیسی عمدہ بات بیان فرمائی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مدد کا تعلق ہے وہ مضمون دوسری جگہ بیان فرمایا لیکن جہاں ایک ایسا دعویٰ کیا ہے جو حسابی دعویٰ ہے اور اس حسابی دعویٰ کے لئے کوئی قطعی منطقی دلیل ہونی چاہئے تھی اور وہ دلیل یہ بیان فرمائی کہ تم اپنے اعلیٰ مقصد کو سمجھتے ہو اس کے نتیجہ میں تمہیں صبر عطا ہوتا ہے اور یہ لوگ بے مقصد لڑائی کر رہے ہیں اور جب مشکل دور میں سے گزرتے ہیں تو اُس وقت اپنے مقصد کا کھوکھلا پن ان پر ظاہر ہونے لگتا ہے اور ان میں صبر کی طاقت نہیں رہتی۔ چنانچہ آپ ابتدائی اسلامی جنگوں پہ نظر ڈال کر دیکھیں تو ہمیشہ آپ کو یہ دو باتیں نمایاں طور پر کارفرما دکھائی دیں گی، مسلمانوں کو صبر عطا ہوا ہے اور دشمنوں کو بے صبری اور بہت تھوڑی

آزمائش سے گزر کر وہ اپنے مقصد سے تعلق توڑ بیٹھتے تھے اور اسی لئے بعد میں تیزی کے ساتھ مسلمان ہونے لگتے ہیں۔ پس یہ مضمون ہے جس کو ہر داعی الی اللہ کو آج بھی اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔

جہاں تک تاریخ اسلام کے آغاز کے غزوات اور سریّہ وغیرہ کا تعلق ہے میں نے جائزہ لیا تو حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں جتنے بھی غزوات پیش آئے یعنی ایسے جہاد جن میں آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور اسی طرح بہت سے سریہ بھی یعنی جن میں حضور اکرم ﷺ نے خود شرکت نہیں فرمائی لیکن وہ جہاد ہی تھا اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے تابع غیروں سے مقابلہ ہوا۔ اُن میں ایک اور تین سے نسبت نہیں بڑھی اس لئے ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم سے تخفیف کی جاتی ہے تو یہ سامان بھی فرما دیا کہ ایک اور دس کی نسبت کا سوال ہی نہ پیدا ہو۔

اگر اس آیت کے نزول کے بعد اور اس راز کو سمجھ لینے کے بعد اس وقت دشمن ایک کے مقابل پر دس کی تعداد میں حملہ آور ہوتا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو خدا کی طرف سے وہ ضمانت نہیں تھی لیکن حفاظت کے اور طریق اللہ تعالیٰ استعمال فرماتا ہے اور ان طریقوں میں سے ایک طریق یہ ہے کہ دشمن کو اس بات کی نہ عقل دی نہ توفیق دی کہ ایک مسلمان کے مقابل پر دس آجائیں یا سو کے مقابل پر ہزار نکل کھڑے ہوں۔ صرف ایک موقع ایسا ہے جس میں جنگ موتہ پر حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں لشکر رومیوں کے علاقہ کی طرف بھیجا گیا مسلمانوں کی تعداد ۳ ہزار تھی اور رومیوں کی تعداد ایک لاکھ تھی یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے بچانے کی یہ صورت پیدا فرمادی کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ سمجھ دی کہ اس موقع پر دشمن سے ٹکرانا معقول بات نہیں ہے، دشمن کے نرغے سے بچ کر نکل آنا معقول بات ہے۔ چنانچہ بہت ہی حیرت انگیز صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے آپ نے دشمن کے اس گھیرے سے نکل کر مسلمان فوج کو بچالیا اور یہ آپ کا بھاگنا نہیں تھا بلکہ الٰہی تقدیر کے تابع ایسا واقعہ ہوا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، اس وقت نسبت ایک اور دس کی نہیں رہی تھی بلکہ ۳ ہزار کے مقابل پر ایک لاکھ تھے تو نسبت بہت بڑھ چکی تھی۔

پس اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حساب پیش فرمایا آنحضرت ﷺ کے دور میں اسی حساب کا اطلاق ہوا ہے اور ایک دو سے کچھ تھوڑا سا جب بڑھا تو اس کے مقابل پر غیر معمولی امداد کی گئی جس کو فرشتوں کی امداد بیان فرمایا گیا اور حسب موقع دشمن کی تعداد کو ملحوظ رکھتے

ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے کہ فرشتے نازل کئے گئے یہ فرشتے کیا تھے؟ اس کے متعلق دوسری جگہ خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا ہے کہ فرشتوں کا مضمون تمہارے دل کی تسلی کے لئے ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ رسد یعنی مدد اللہ ہی کی طرف سے آیا کرتی ہے۔ تم ان باتوں کی کنہہ کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے مستقل طور پر تمہیں فرشتوں کی تعداد بتائی گئی ہے مگر اصل مقصد مدد کرنا ہے اور خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیسے مدد کی جاتی ہے چنانچہ وقتی طور پر رعب بڑھا کر اور دشمن سے غلطیاں کروا کر خدا تعالیٰ اس طرح مدد فرماتا ہے لیکن بالعموم جہاں تک مقابلے کے نتیجہ کا تعلق ہے وہاں ایک اور دو کی نسبت دکھائی دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جتنے مقابلے ہوئے ہیں اُس دور میں اگر کل کفار مقتول کا شمار کریں اور مسلمان شہداء کا شمار کریں تو بالعموم یہی نسبت دکھائی دیتی ہے چنانچہ قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب **رحمۃللعالمین** میں تمام اعداد و شمار اکٹھے کر کے یہ نکتہ پیش کیا لیکن اس میں انہوں نے بعد کے بھی بہت سے اعداد و شمار اکٹھے کئے اور کچھ زبردستی بھی کی ہے اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ''رسولِ رحمت'' میں اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حساب کو رد کیا ہے لیکن جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے مسلمانوں کو نتیجہ کے لحاظ سے بالعموم ایک اور دو کا یا ایک اور دو سے زیادہ کا غلبہ عطا ہوا ہے۔ پس امید رکھتا ہوں کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے آغاز میں حضرت اقدس محمد ﷺ کے اولین ساتھیوں سے کئے تھے اور ان کی برکت سے تابعین کو غیر معمولی جو رعب اور غیر معمولی غلبے عطا ہوئے اس دوسرے دور میں یعنی آخرین کے دور میں بھی اللہ تعالیٰ دعوت الی اللہ کرنے والوں سے ایسا ہی سلوک فرمائے گا اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور آپؑ کے صحابہؓ کو غیر پر جو غلبہ عطا ہوا اس میں وقت کے گزرنے سے کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اب اس دور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے آثار نمایاں طور پر نظر آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل کے ساتھ جماعت کو وہاں ایک اور دس کی نسبت سے بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ نسبت کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمارہا ہے۔

اس میں ایک اور مضمون یہ پیش نظر ہے اور رکھنا چاہئے کہ اس سے مراد محض ظاہری قتال نہیں ہے بلکہ ہر قسم کا مقابلہ اس میں شامل ہے اور یہ ایک عمومی دستور بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ قومیں جو بامقصد ہوں، جو صبر کرنے والی ہوں، منظّم ہوں اور اپنے آپ کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے قربان کرنے

کیلئے ہمیشہ تیار رہیں تو اگر کسی ملک میں ان کی تعداد دس فیصد ہو جائے تو وہ ضرور غالب آجاتی ہیں، اس کے بعد حساب یکسر بدل جاتا ہے۔ پہلے رفتہ رفتہ آہستگی کے ساتھ ترقی ہوتی ہے لیکن جب آپ ایک اور دس کی نسبت حاصل کر لیتے ہیں تو سارا ملک آپ کے قدموں میں آجاتا ہے۔ یہ وہ خوشخبری ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں بعض ملکوں میں پہلے سے بہت بڑھ کر تیزی سے کام کرنا چاہئے کیونکہ ہم اُس موڑ تک پہنچ رہے ہیں جس کے بعد چڑھائی ختم ہے اور پھر تیزی کے ساتھ سارا ملک خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والے مخلصین کی جھولی میں ہوگا۔

میں ذرا رُکا اس لئے کہ ظاہری طور پر ”قدموں میں ہوگا“ کا محاورہ آرہا تھا مگر مضمون کی مناسبت سے یہاں سجتا نہیں تھا۔ تو فصاحت و بلاغت کو بعض موقع پر ایک طرف رکھنا چاہئے اور مضمون کو بہر حال ترجیح دینی چاہئے تو اس پہلو سے ان کی جھولی میں ہوگا۔ اس طرح جھولی میں ہوگا جیسے ایک چمن سے محبت کرنے والا پھول چن چن کر اپنی جھولی میں ڈالتا ہے اور اس غرض سے جھولی میں ہوگا کہ ان پھولوں کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے قدموں میں ڈالا جائے اس نیت سے اس مضمون کو سمجھ کر آپ دعوت الی اللہ کریں۔

اب میں واپس اس مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔ میں بتارہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی کہ پہلے پرندوں کو مانوس کرو پھر وہ تمہارے ہو جائیں گے اور تمہاری آواز کے نتیجہ میں لبیک کہیں گے پھر وہ غیروں میں رہ کر بھی تمہارے رہیں گے۔

اس میں ایک اور بہت بڑی حکمت کی بات ہے کہ وہ مذہبی قومیں جو رفتہ رفتہ آہستگی سے پھیلتی ہیں اُن کو اکثر صورتوں میں معاشروں میں غلبہ نصیب نہیں ہوتا اور اُن کے بنائے ہوئے مسلمان یا مومنین عموماً غیر معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں غیر معاشرے کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی صورت میں ان کے ضائع ہونے کا بہت بڑا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسی تربیت کا مسئلے کا حل بھی حضرت ابراہیمؑ کو سکھلا دیا۔ فرمایا اگر تم نے اُن کو اپنی ذات کے ساتھ مانوس کر لیا تو پھر وہ تمہارے رہیں گے۔ مختلف سمتوں میں چلے جائیں گے مختلف پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر بیٹھیں گے مگر تمہاری ایک آواز کے نتیجہ میں دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے۔ ان کو مستقل اپنا بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن کے ساتھ محبت کرو اور اس محبت کے نتیجہ میں اُن کے دلوں کا تعلق اپنے

دل کے ساتھ باندھ لو۔ دعوت الی اللہ کرنے والے پر بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ جس کو وہ خدا کی طرف بلائے اس کا خدا کی طرف آنا عارضی نہ ہو۔

یہ نہ ہو کہ چند دن کے بعد وہ غیر معاشرے میں جائے اور پھر غیروں کا ہو رہے۔ پس جہاں تبلیغ میں خشکی ہوتی ہے وہاں عموماً ایسے آنے والے ضائع ہو جاتے ہیں۔ جہاں تبلیغ میں محبت اور تعلق کے جذبات غالب ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آنے والے ہمیشہ مستقل دین کے ہی ہو رہتے ہیں اور ضائع ہونے والوں میں عموماً میں نے یہی محسوس کیا ہے کہ ان کو دعوت الی اللہ کرنے والوں کے تعلق میں ایک خشکی تھی کوئی روحانی نرمی اور گرمی نہیں تھی۔

بہر حال اب سوال یہ ہے کہ مانوس کیسے کیا جائے۔ مانوس کرنے کے متعلق میں پہلے بھی ایک دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ تعلقات بنانے کے بہت سے طریق ہیں اور سب سے نمایاں اور واضح طریق احسان کا طریق ہے اور اگر احسان ایسا ہو کہ جس کے نتیجہ میں جس پر احسان کیا جائے وہ یہ نہ سمجھے کہ اپنی کسی غرض سے کر رہا ہے۔ تھوڑا احسان بھی ہوتا ہے اور غیر معمولی اثر ڈالتا ہے۔ ایک آدمی کو ایک چائے کی پیالی پلانا کون سی احسان کی بات ہے، معمولی بات ہے بعض دفعہ پلانے والا اُس سے بہت زیادہ غریب ہوتا ہے جس کو وہ پلائی جاتی ہے لیکن اگر امیر آدمی کو ایک غریب آدمی چائے کی پیالی پلائے اور امیر جانتا ہو کہ اسے مجھ سے کوئی غرض نہیں، مجھ سے کوئی کام نہیں تو چائے کی ایک پیالی ہی اس کے دل میں ایک بھاری احسان بن کر بیٹھ رہے گی اور اس طرح احسان کا مضمون عام دنیا کے حسابات سے مختلف ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی کو مانوس کرنا ہو تو قرآن کریم نے جو طریق احسان کا بیان فرمایا ہے اس کے مطابق مانوس کریں۔ فرمایا: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر: ۷) ایسا احسان نہ کیا کرو جس کے نتیجہ میں زیادہ حاصل کرنا مقصود ہو اور جس کا مقصد کچھ اور لینا اور اپنی دولت کو یا اپنی طاقت کو بڑھانا ہو۔ اب یہ جو پیغام ہے اس میں دعوت الی اللہ کرنے والوں کے لئے بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ وہ غیروں سے اس رنگ میں حسن سلوک کریں کہ اُن کو حُسن سلوک کرنے والے کا کوئی فائدہ اس میں دکھائی نہ دے۔ بعض لوگ ہسپتالوں میں جاتے ہیں، مریضوں کی تیمارداری کرتے ہیں، جیلوں میں جاتے ہیں، وہاں ضرورت مندوں کا خیال رکھتے ہیں، پھر بعض دفعہ ان غریبوں کے لئے جن کا کوئی سہارا نہ ہو بعد میں کوشش بھی کرتے ہیں۔

میں نے اُس کی ایک مثال دی تھی کہ پاکستان کی جیلوں میں سے ایک جیل جانے والے داعی الی اللہ نے مجھے ایک شخص کے حالات لکھے جو بہت ہی دردناک تھے اور وہ شخص کوئی پچیس تیس سال سے بغیر کسی مقدمہ کے صعوبتوں میں مبتلاء تھا اور کوئی اس کا پاسبان نہیں تھا، کوئی اس کا پُرسان حال نہیں تھا۔ اس کا معاملہ ہم نے ایمنسٹی کو دیا اور ایمنسٹی نے اس کے لئے کوشش کی اور کامیابی نصیب ہوئی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ آزاد ہوا لیکن آزاد ہوتے ہی حضرت محمد ﷺ کا غلام بن گیا۔ پہلے وہ ہندو تھا، پھر موحد بنا اور موحد بھی ایسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے کلام کا، آپؐ کے پیغام کا، آپؐ کی ذات کا عاشق ہو گیا اور اُس نے آزادی کے بعد مجھے ایک بہت ہی دلچسپ خط لکھا کہ اب اس دور میں جبکہ احمدیت کے ذریعہ مجھے اسلام کی حقیقی تعلیم سے تعارف ہوا ہے تو مجھے پتا چلا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ پس وہ احسان کریں جو چھوٹا بھی ہو تو خود غرضی کا نہ ہو جس میں خود غرضی کا کوئی پہلو نہ ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ احسان کرتے ہی تبلیغ شروع نہ کر دیں، اگر چہ تبلیغ بھی احسان ہے لیکن جب آپ احسان کرتے ہی تبلیغ شروع کرتے ہیں تو اگلا سمجھتا ہے کہ اب سمجھ آ گئی ہے کہ کس لئے مجھے بلا رہا ہے۔ چائے کی پیالی پر بلایا اور ساتھ تقریر شروع کر دی اور ایسے لوگ بیچارے جن کو چائے کی پیالی پلائی جا رہی ہوتی ہے وہ پھر چائے زہر مار کرتے ہیں لطف نہیں اٹھاتے۔ وہ کہتے ہیں میں کس مصیبت میں پھنس گیا، اس مصیبت سے نجات ملے۔ ایک پیالی چائے کے بدلے اس شخص نے اتنی لمبی تقریر جھاڑ دی اور پھر وہ دامن بچاتے ہیں اور آئندہ اس شخص سے ملنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ تو احسان سے مراد ایسا احسان ہے جس کے بعد ارد گرد کوئی غرض دکھائی نہ دے رہی ہو اور وہ غرض جو آپ رکھتے ہیں یہ اس وقت ظاہر ہو جب کہ یہ غرض احسان کا رنگ اختیار کر چکی ہو اور جس شخص پر یہ غرض ظاہر ہو رہی ہے احسان کے رنگ میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کے بہت سے طریق ہیں اور مانوس کرنے کا جو علم ہے یہ تو اللہ تعالیٰ فطرتاً عطا کرتا ہے اور پھر تجربہ سے یہ علم بڑھتا ہے۔ بے چارے بعض مبلغ ہیں وہ اپنی سادگی میں اس طرح تبلیغ کرتے ہیں مثلاً ایک خاتون ہیں ان کو تبلیغ کا بڑا شوق ہے وہ مجھے ملنے آئیں میں نے ان سے پوچھا کہ بتائیں کس طرح تبلیغ کی؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ جو اعتراضات کے جواب کے رسالے شائع ہوئے تھے ان میں سے تین رسالے اس کو دے آئی ہوں۔ میں نے کہا اس طرح تقسیم کرنا مقصود تو نہیں تھا۔ تو پھر میں نے کہا کیا نتیجہ نکلا تو کہنے لگیں کہ

میں دوسری دفعہ ملی تو اور بھی ناراض تھی۔

اس طرح تو پھر ناراض ہوں گے۔تبلیغ کے ساتھ جو حکمت کو باندھا گیا ہے اس حکمت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے اور مانوس کرنے میں مضمون سے مانوس کرنا داخل ہے۔دیکھیں !ایک عورت ہے جس کے گھر کی گائے یا بھینس ہے،وہ روزانہ اس کا دودھ دھوتی ہے لیکن جب تک پسمائے نہیں اس وقت تک وہ گائے یا بھینس اس کو دودھ نہیں دیتی۔پانی ڈالتی ہے،نرم ہاتھوں سے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرتی ہے اور یہاں تک کہ دودھ آجاتا ہے اور جب وہ دودھ دوہتی ہے تو اس گائے یا بھینس پر احسان کرتی ہے کیونکہ دودھ سے بھرا ہوا وہ تھن اُس کے لئے بوجھ بن جاتا ہے تو غرض پوری ہورہی ہے لیکن احسان کے رنگ میں اور اس سے پہلے پیار اور محبت سے دل لبھانا جس کو ہم بچپن میں پتا نہیں پنجابی تھی یا اُردو مگر 'پسمانا' کہا کرتے تھے کہ گائے بھینسوں کو پسمایا جاتا تھا تو بغیر پسمائے آپ مضمون کی طرف لے آئیں گے اور جس طرح گائے دولتّی مارتی ہے اور اگر تھوڑا سا دودھ پہلے دوہا ہوا ہو تو بعض دفعہ وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے تو ایسا کام نہ کریں کہ آپ خدا کی خاطر کسی کو پسمائے بغیر خدا کا ذکر شروع کر دیں اور بجائے اس کے کہ وہ آپ کی طرف مائل ہو وہ دولتّی مارے اور آپ کی ساری محنت ضائع چلی جائے۔میری مراد یہ ہے کہ صرف ذاتی تعلق قائم کرنا ہی نہیں بلکہ مضمون کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں بھی مراحل ہوتے ہیں اور اُن کو درجہ بدرجہ اختیار کرنا چاہئے۔ بعض لوگ بڑی حکمت سے کام کرتے ہیں۔ایسی کتابیں دیتے ہیں جن کا براہ راست تبلیغ کا کوئی مضمون نہیں ہوتا یا ایسی کتابیں دیتے ہیں جن میں کتاب وصول کرنے والے کو اپنے مقصد کے لئے ایک بہت عمدہ ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے۔مثلاً عیسائی علاقوں میں مسلمان ہیں جن کو عیسائیوں سے مقابلے کی استطاعت نہیں ہے یا صلاحیت نہیں ہے ان کو آپ احمدیت کا وہ لٹریچر دیں جس میں عیسائیوں کے مدمقابل بڑے قوی دلائل پیش کئے گئے ہیں تو ایسا لٹریچر وصول کرنے والا یہ نہیں سمجھے گا کہ مجھے کھینچا جارہا ہے بلکہ اس کے لئے تقویت کا سامان ہوگا۔اگر مسلمانوں کو جن کو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی محبت ودیعت فرمائی ہے جیسے دودھ میں پلائی گئی ہو،بد سے بد بھی حضرت محمد مصطفی ﷺ سے محبت ضرور رکھتا ہے آنحضرت ﷺ کی سیرت کی وہ کتب دی جائیں جن میں آنحضرت ﷺ کی سیرت کو ایسی شان سے پیش کیا گیا ہے،ایسے عظیم طریق پر پیش کیا گیا ہے کہ اس کی مثال دوسری کتب میں دکھائی نہیں

دیتی۔ مثلاً ''سیرت خاتم النبیینؐ'' ہے مثلاً مصلح موعودؓ کی کتاب Life of Muhammad ہے۔ اگر یہ آپ ان کو دے دیں تو ان کے اندر نہ صرف یہ کہ پہلے سے بڑھ کر آپ کے لئے تعلق پیدا ہوگا بلکہ احمدیت سے ایک تعلق قائم ہو جائے گا اور اُن کو اس مطالعے کے دوران رفتہ رفتہ یہ سمجھ آئے گی کہ احمدیت تو کچھ اور چیز ہے جو ہم سمجھتے تھے وہ نہیں۔ پھر طلب پیدا ہوگی اور وہ طلب آپ کے لئے مواقع پیدا کر دے گی کہ آپ ان کو کتابیں بھی دیں اور احسان بھی کر رہے ہوں گے۔

پاکستان میں ایک دفعہ ایک دوست نے مجھے بتایا میں اس طرح تبلیغ کرتا ہوں کہ دانشوروں اور پروفیسروں میں میرا آنا جانا ہے ان میں سے ایسے بھی ہیں جو خدا کی ہستی کے قائل نہیں یا شک رکھتے ہیں، فرشتوں وغیرہ کے مضمون پر مذاق اڑاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اُن کے مدمقابل اُن سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور بحثیں کرتے ہیں تو میں اُن کو ایسی کتابیں جیسے حضرت مصلح موعودؓ کی کتاب ''ملائکۃ اللہ'' ہے یا ''تقدیر الٰہی'' ہے یہ دیتا ہوں اور اس سے دونوں فریق میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ''ملائکۃ اللہ'' کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں وہ حضرت مصلح موعود کی کتاب ''ملائکۃ اللہ'' جب پڑھتے ہیں تو ان کو ''ملائکۃ اللہ'' کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس لائق ہو جاتے ہیں کہ واقعۃً ٹھوس دلائل سے ملائکہ کی حقیقت کا دفاع کریں اور ملائکہ کے وجود کا دفاع کریں اور دوسروں کے دل میں جو شکوک ہوتے ہیں وہ اس لئے زائل ہو جاتے ہیں کہ اُن کے ہاں ملائکہ کا تصور ہی اُوٹ پٹانگ اور عجیب وغریب سا ہے اور ملائکہ کا سچا تصور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر ہمیں عطا کیا لیکن نیا تصور نہیں عطا کیا۔ سو فیصدی قرآن کریم پر مبنی سو فیصدی احادیث اور اقوال حضرت محمد ﷺ پر مبنی لیکن اُس نور تک غیروں کی نظر نہیں گئی اور فرضی کہانیوں کو اپنا بیٹھے اور قرآن اور حدیث کی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا۔ بعض دفعہ انسان فرضی کہانیوں میں بستا ہوا حقیقت کو دیکھتے ہوئے بھی پہچان نہیں سکتا یہ بھی ایک قسم کا اندھا پن ہے۔ چنانچہ بہت سے غلط عقائد جو احمدی ہونے سے پہلے نئے احمدی ہونے والوں کے ہوا کرتے تھے جب احمدی ہونے کے بعد وہ مڑ کر اُن کو دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ ہمیں پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔ کیسی بے وقوفوں والی باتیں تھیں جن پر ہم ایمان رکھا کرتے تھے اور اُن کو کبھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ ہوا کیا تھا؟ مگر غفلت کی آنکھ اندھی آنکھ ہوا کرتی ہے۔ اُسے دیکھتے ہوئے بھی دکھائی نہیں دے رہا ہوتا۔ پس جب آپ اپنے دوستوں کو ان کے

مناسب حال اس قسم کی کتابیں دیں گے تو اُس کے نتیجہ میں اُن کی غلط فہمیاں دور ہوں گی ان کو احمدیت میں اس لحاظ سے دلچسپی پیدا ہوگی کہ ان کا دل گواہی دے گا کہ یہ نور ہے یہ روشنی عطا کرنے والی چیز ہے۔اسی طرح مثلاً

Introduction to the study of the Holy Quran ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے قرآن کریم کے تعارف میں ایک بہت ہی عمدہ مقالہ لکھا ہوا ہے۔بعض لوگ وہ پہلے عیسائیوں کو دیتے ہیں۔اب میرے نزدیک یہ بعض صورتوں میں تو درست ہے مگر بہت سی صورتوں میں یہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ عیسائیوں کے خلاف اس قدر شدید حملہ ہے جس کو آپ سے مضبوط تعلق قائم نہ ہو یا اسلام میں گہری دلچسپی پیدا نہ ہوئی ہو بعض دفعہ وہ اس حملے کی تاب نہ لا کر آپ سے بھی بھاگتا ہے اور اسلام سے بھی بھاگتا ہے اور بعض دفعہ اس کے دل میں محبت کی بجائے ایک نفرت پیدا ہوتی ہے جو کمزوری کے احساس سے پیدا ہوتی ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ میں اس دشمن سے لڑ نہیں سکتا اور اس کے نتیجہ میں اس کی کمزوری نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔حضرت مصلح موعودؓ کے پاس ایک دفعہ ایک امریکن سفیر نے یہ شکایت کی کہ مجھے (اسلام میں) تھوڑی سی دلچسپی پیدا ہوئی تھی تو مجھے کسی نے آپ کی کتاب Introduction to the study of the Holy Quran دی۔آپ نے تو بہت سخت حملے کئے ہیں بالکل ناواجب حملے کئے ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا تم نے وہ حملے نہیں دیکھے جو غیر سینکڑوں سال سے اسلام پر کر رہے ہیں اب اگر ہم ان کا دفاع کریں تو تم لوگ کہتے ہو کہ یہ سخت ہیں۔جب تم سختی کرتے ہو تو تمہیں اس وقت احساس نہیں ہوتا۔ایک ہندو پرائم منسٹر نے بھی مجھ سے بات کی کہ آپ کی فلاں کتاب میں بہت سختی کی گئی ہے اور وہ یہی کتاب تھی۔

اب اگر یہی کتاب کسی مسلمان کو دیں تو بالکل برعکس نتیجہ نکلے گا۔پہلے مسلمانوں کو دیں اور مسلمان جب یہ پڑھ لیں گے تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ احمدیت اس طرح اسلام کا دفاع کرتی ہے تو اُن کے لئے یہ تبلیغ کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہی کتاب ایک عیسائی کے لئے اس وقت تبلیغ کا ذریعہ بنتی ہے جب آپ چند منازل طے کر چکے ہوں کسی حد تک اس کے مضمون سے شناسا کر چکے ہوں اور جیسا کہ میں ’’پیمانے‘‘ کا لفظ استعمال کر تا رہا ہوں اُس کے لئے ’’پیمانے‘‘ کی منزل ذرا دیر میں آئے گی۔بعض گائیں بڑی کڑوے مزاج کی ہوتی ہیں ان کے لئے کافی محنت کرنی پڑتی ہے

ہاتھ واتھ پھیرنے ،تھپکانا ، پیار کرنا۔ پانی کے چھینٹے دینے ورنہ وہ دولتیاں بھی مارتی ہیں اور سینگ بھی مارتی ہیں۔تو مختلف مزاج کے لوگ ہیں ان کو سمجھنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کے مضمون میں ہر جگہ حکمت کو پہلے رکھا ہے ہر دوسری چیز کو بعد میں۔پس حکمت کے تقاضے یہ ہیں کہ پہلے اس کے دل کو اپنے لئے نرم کرو، اپنے لئے دل نرم کرنے کے بعد پھر ایسے ذرائع اختیار کرو کہ اسلام کے لئے اس کا دل نرم ہونا شروع ہو اور جوں جوں دل نرم ہو اُس سے استفادہ کرو اور مناسب حال تبلیغ کرو، مناسب حال اس کو کتب مہیا کرو اور یہ وہ سلسلہ ہے جو پھر رفتہ رفتہ خود بخود بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے طلب پیدا کرنی ضروری ہے، اس نکتہ کو آپ اچھی طرح سمجھ جائیں۔ اگر طلب پیدا کئے بغیر آپ نے احسان کا بدلہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو یہ احسان اُلٹ ہو جائے گا اور بے کار جائے گا۔پس تعلقات کے دائرے وسیع کر کے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے رفتہ رفتہ مضمون کھول کر آگے بڑھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام ایک بہت زیادہ گہرا اثر رکھنے والا کلام ہے اور اس سے بھی بھر پور استفادہ کرنا چاہئے۔بعض دفعہ آنحضرت ﷺ کی محبت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نعتیہ کلام سنایا جائے تو اس سے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔پھر بعض دفعہ ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ اقتباسات پیش کئے جائیں جو حضور اکرم ﷺ کی شان میں ہیں تو اس کے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

پس ہر شخص کے حالات دیکھ کر اُس کے مطابق اس کے ساتھ رفتہ رفتہ سلوک ہونا چاہئے۔ بہت سے احمدی ایسے ہیں جنہوں نے مجھے بتایا کہ ہم نے تبلیغ سے پہلے آپ کے خطبات سنانے شروع کئے اور وہ خطبات سنائے جن میں براہ راست کوئی تبلیغ نہیں ہے۔تربیت کے مضمون سے تعلق رکھنے والے ہیں ،عبادت کے مضمون سے ،گلف کے مضمون سے وغیرہ وغیرہ اور ان کو سننے کے بعد سننے والے کے دل میں خود ایک طلب پیدا ہوئی اور انہوں نے ہم سے مطالبے شروع کئے اور ہم نے ان کو لٹریچر دینا شروع کیا۔

ایک پٹھان دوست جو آزاد علاقے کے رہنے والے ہیں وہ اس وقت جمعہ میں میرے سامنے موجود ہیں انہوں نے مجھے خود بتایا ہے کہ میرے دل میں تو احمدیت کی محبت کی وجہ خطبات

تھے۔ مجھے ایک احمدی دوست ایک دفعہ مسجد پہنچا گیا یہ دکھانے کے لئے دیکھو تو سہی ہم کیسے نماز پڑھتے ہیں خطبہ کیسا ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر ایسا شوق پیدا ہوا کہ ہر خطبہ میں یہیں آ کر سنتا ہوں اور ہر جمعہ یہیں ادا کرتا ہوں اُن کو سننے کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی ہے کہ آپ سچے ہیں اس لئے مجھے اب اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ جو آپ کہیں گے میں ٹھیک سمجھوں گا اور ٹھیک کہوں گا اور چنانچہ وہ اللہ کے فضل سے بڑی وفا کے ساتھ احمدیت کے ساتھ تعلق میں نہ صرف قائم رہے بلکہ بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اپنے ماحول میں بھی ارد گرد احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ تو طریق کار کا صحیح ہونا بہت ہی اہم ہے اور طلب پیدا کرنے سے پہلے دعوت دینا ظلم کے مترادف ہے۔ ایسی زمین میں بیج پھینکنے کے مترادف ہے جو پتھریلی ہو جسے نرم نہ کیا گیا ہو جس پر محنت نہ کی گئی ہو جس میں نمی موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بہت سے دعوت الی اللہ کرنے والے یہی روتے رہتے ہیں اور ہمیشہ ان کا یہی شکوہ رہتا ہے کہ ہم تو تبلیغ کرتے ہیں کوئی سنتا ہی نہیں۔ کوئی سنانے والی بات کرو تو سُنے گا ناں۔ تبلیغ کا مضمون تو تبلیغ کا ذکر کئے بغیر غالبؔ نے بڑے عمدہ رنگ میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اَے جذبۂ دل

اُس پر بن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے (دیوان غالب صفحہ:۲۹۶)

میں تو بلاتا ہوں مگر آئیں گے جذبہ دل سے ہی۔ پس اے جذبہ دل ایسا کوئی کرشمہ دکھا کہ اُن پر ایسی بن جائے کہ اُن سے بِن آئے بنے ہی نہ۔ تیری طرف آنے پر مجبور ہو جائیں۔ تو امر واقعہ یہ ہے بڑی گہری بات کر گیا ہے باتوں سے بلایا جاتا ہے مگر کھینچتا جذبۂ دل ہی ہے۔ اگر جذبۂ دل نہیں ہوگا تو باتیں بالکل بے اثر رہیں گی۔ کچے دھاگے کی طرح ہوں گی ان میں کھینچنے کی کوئی طاقت پیدا نہیں ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کتب جن کا خصوصیت کے ساتھ مشرقی یورپ اور روس کی سوسائٹی پر ایک دم گہرا اثر پڑتا ہے ان کتب میں سب سے نمایاں میں نے ’’مسیح ہندوستان میں‘‘ پائی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے سابقہ عیسائی دنیا جو دہریہ ہوگئی اور اشترا کی دنیا کہلاتی ہے اس کے باشندوں پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ ایک دم گہری دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور وہ خدا کو ابھی نہیں مان

رہے ہوتے لیکن اس کتاب میں وہ حقیقت پاتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں وہ پھر مطالبہ شروع کر دیتے ہیں ۔ ابھی بھی جب ہم نے اپنا ایک نمائندہ روس بھیجا اور ایک نمائندہ وفد بلغاریہ بھجوایا اور دونوں کی یہی رپورٹ تھی کہ یہ کتاب فوراً شائع ہونی چاہئے اور روس کی طرف سے شدّت سے مطالبہ ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ طبع کروائی ہے اور بھی بہت سی کتابیں طبع کروائی ہیں ۔

اگلی بات میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ دعوت الی اللہ کرنے والے کو جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اپنے منصوبے میں اس بات کو شامل کرنا چاہئے کہ کن لوگوں میں وہ زیادہ عمدگی کے ساتھ تبلیغ کر سکتا ہے۔ بعض لوگ رشین سپیشلسٹ ہوتے ہیں اور اُن کو پھر انہی میں دن رات کام کرنا چاہئے ۔ دوسروں تک بھی بات پہنچانا فرض ہے لیکن جہاں زیادہ سہولت سے شکار حاصل ہوتا ہو شکاری پہلے وہیں جایا کرتا ہے اور بعض دفعہ ایک بڑے شکار کے لئے چھوٹے شکار کو چھوڑا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ اچھے شکاری وہ ہیں جو جائزے لیتے ہیں کہ کہاں کہاں موجود ہیں اور ان کی مرضی کا شکار، ایسا شکار جس کو شکار کرنے کے فن آتے ہوں وہ ماہر ہوں وہ کہاں ملتا ہے چنانچہ وہ تیزی کے ساتھ اُنہی جگہوں پر جاتے ہیں اور رستے کے شکار کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں تا کہ وقت ضائع نہ ہو اور اصل مقصد کو نقصان نہ پہنچے ۔ پس شکار ہے تو بظاہر مارنے والا لفظ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے وضاحت کر دی ہے تمثیلات کی باتیں ضروری نہیں کہ سو فیصدی اطلاق پائیں ۔ یہ مضمون سمجھانے کی خاطر بیان کئے جاتے ہیں اور جہاں تک تبلیغی شکار کا تعلق ہے اس کا تعلق اس شکار سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھایا گیا ہے مارنے کے لئے نہیں بلکہ اپنا بنانے کے لئے ۔ چنانچہ اس زمانہ میں خاص طور پر مغربی دنیا میں کثرت سے آپ کو ایسے شکاری ملیں گے جو پرندوں کی حفاظت کے لئے ان کو پھنساتے ہیں۔ Extinction سے بچانے کے لئے ،فنا سے بچانے کی خاطر وہ ان کو جالوں میں قابو کرتے ہیں اور پھر بعض دفعہ وہ ان کو خاص قسم کے ٹیکے لگاتے ہیں بعض دفعہ ایسے نشان لگاتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص غلطی سے ان کو مار نہ بیٹھے۔ کئی ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں لیکن پہلے قابو کرتے ہیں اور ایسی مہمات بھی آپ کے دیکھنے میں آئیں گی جہاں ہاتھیوں کو بے ہوش کر کے پہلے قابو کیا جاتا ہے اور پھر ان کی بقا کے سامان کی خاطر اُن کو مناسب جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اُن کی زندگی کم خطرے میں ہو اور خوراک وغیرہ کافی مہیا ہو تو یہ وہ طریق ہیں جن سے شکار بظاہر شکار ہے لیکن نیّتوں کے فرق کے نتیجہ

میں بہت زیادہ فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

پس آپ کی نیت زندہ کرنے کی ہے، آپ کی نیت بچانے کی ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس زمانے کے لئے مسیحا نفس بنائے گئے ہیں۔ اگر آپ نے زمانے کو نہ بچایا تو اس کے بچنے کے آثار نہیں ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً بتایا گیا کہ یہ لوگ

''زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔'' (تذکرہ صفحہ: ۴۲۶)

دیکھیں کتنا پیارا اظہار ہے، ''زندگی کے فیشن سے....ان کو زندگی کی ادائیں ہی نہیں یاد ہیں اور بظاہر فیشن میں مبتلا ہیں لیکن یہ موت کے فیشن ہیں جو قوموں کو ہلاک کر دیا کرتے ہیں۔ زندگی کے فیشن نہیں ہیں۔ زندہ رہنے کے گُر ان کو یاد نہیں رہے اس لئے آپ نے ان کو زندگی کے فیشن سکھانے ہیں اور واقعۃً دعوت الی اللہ زندہ کرنے کی خاطر کرنی ہے ورنہ اگر آپ نے ان کو زندہ نہ کیا تو یہ نہیں بچائے جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق خدا تعالیٰ نے اسی لحاظ سے فرمایا کہ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال: ۲۵) یہ تمہیں زندہ کرنے کی خاطر بلاتا ہے مارنے کی خاطر نہیں۔

پس ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو ہمیشہ یہ مقصد پیش نظر رکھنا چاہئے کہ میں نے زندہ کرنا ہے اور یہ اعلیٰ مقصد پیش نظر رہے تو اُس کے من پر اس کا بہت ہی صالح اثر پڑے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کو خدا تعالیٰ خود بخود ایسے آداب اور ایسے اسلوب سکھلائے گا جن سے دعوت الی اللہ کرنے والے میں زندگی کے آثار دن بدن نمایاں ہونے شروع ہو جائیں گے۔ ایسا شخص تبلیغ کو محض دلائل میں محدود نہیں کرے گا، اس کا مقصد زندہ کرنا ہے، وہ اس کی نیکیوں کو تلاش کر کے اُن کو اُبھارنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ وہ کوشش کرے گا کہ اس کے اندر کوئی دبی ہوئی چنگاری، کوئی زندگی کی رمق موجود ہے تو اُسے ہوا دوں، اُسے پھونکوں، اُس کو آہستہ آہستہ طاقت بخشوں اور اُس کے اندر جو ادھر اُدھر بیکار لکڑیوں کا انبار لگا پڑا ہے اُسے اُس چنگاری کے ذریعہ ایک زندہ نور کی شکل میں تبدیل کر دوں۔

پس یہ وہ نکتہ ہے جسے میں خاص طور پر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ زندہ کرنے والے ہیں اور زندگی پیدا کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ پہلے کوئی پیغام کو تسلیم کرلے۔ ہر شخص کے اندر مخفی خوبیاں ہوتی ہیں۔ آج کل تو دیا سلائیوں اور لائیٹروں (Lighters) کے زمانے ہیں۔

پرانے زمانوں میں ہندوستان میں مجھے یاد ہے عورتیں راکھ میں آگ دبا دیا کرتی تھیں اور صبح صبح خشک لکڑیاں لے کر بیچ میں سے چنگاری تلاش کیا کرتی تھیں اور اس چنگاری پر کاغذ رکھ کر یا باریک خشک لکڑیاں رکھ کر پھونکیں مار کر اس آگ کو زندہ کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ یاد رکھیں ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ دب جاتی ہیں بعض دفعہ راکھ کے ڈھیر کے تلے نظروں سے غائب ہو جاتی ہیں مگر ضرور ہوتی ہیں۔ بد سے بد آدمی میں بھی بعض ایسی خوبیاں ہیں جن سے تعلق پیدا کر کے آپ اس کو زندہ کرنا شروع کر سکتے ہیں یعنی اس شخص کی زندگی کے سامان فراہم کر سکتے ہیں۔ پس جب آپ کسی شخص سے ایسا تعلق پیدا کریں گے تو اُس کو آپ سے اسی قسم کا ایک تعلق پیدا ہوگا اور یہ وہ تعلق ہے جو زبان سے کسی پیغام کی طرف بلانے کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوا کرتا۔ یہ زندگی کا گہرا تعلق ہے جس میں ایک انسان محسوس کر لیتا ہے اور اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص سچا ہے، اسے میری بقا میں دلچسپی ہے اور میری بھلائی میں دلچسپی ہے اسے مجھ سے کوئی اپنا مقصد نہیں ہے بلکہ میرے سارے مقاصد اس سے وابستہ ہیں۔ پس جب آپ فرض کریں کسی مریض کے پاس ہسپتال جاتے ہیں تو اس طرح ہمدردی کریں کہ اس کا ظاہری آزار دور ہو، اس کو مشورے دیں اس کا خیال رکھیں۔ اگر ایسے مرض کا کوئی تجزیہ ہو تو بتائیں کہ فلاں جگہ ایسا مریض شفا پا گیا اور اس تک پہنچنے میں جو مدد دے سکتے ہیں اس کو دیں۔ اب میں اپنی بیگم کی بیماری کے سلسلہ میں ہسپتال جاتا ہوں تو اردگرد کے مریضوں سے جن سے بھی رابطہ ہو اُن کو میں مشورے دیتا ہوں آپ یہ کریں وہ کریں۔ میں خود تو آپ کا علاج نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس لائسنس نہیں ہے لیکن آپ فلاں فلاں ڈاکٹر سے رابطہ کریں امریکہ میں یا انگلستان میں فلاں قسم کے علاج ایجاد ہو چکے ہیں اور خدا کے فضل سے اس کے نتیجہ میں مریضوں میں بڑی گہری دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور اُن کے رشتہ داروں میں بڑی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگ بعد میں پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص تھا جو یہ باتیں ہم سے کر گیا ہے تو آپ کو انسان کی ذات میں دلچسپی لینی چاہئے اور اس ضمن میں جو میں اب بات کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کو تلاش کرنا چاہئے۔ اس کی خوبیوں سے اپنا تعلق جوڑنا چاہئے اور اس کی خوبیوں کی افزائش کا انتظام کرنا چاہئے اور اس کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پھر اس ضمن میں قیدیوں کے ساتھ رابطے میں جماعت احمدیہ کے لئے بڑے مواقع ہیں۔

کئی ایسے قیدی ہیں جن کے ساتھ احمدیوں نے رابطے کئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان میں بہت سی پاک تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ابھی کچھ دن پہلے مجھ سے بھی ایک انگلستان کے قیدی ملنے کے لئے آئے، وہ پیرول پر کچھ دیر کے لئے باہر آئے تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک احمدی نے مجھ سے بات شروع کی، میں اُس کے کردار اور اُس کی گہری ہمدردی سے جو وہ میری بھلائی چاہتا تھا اور دوسرے قیدیوں کی بھلائی چاہتا تھا اس سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ میں بڑی تیزی کے ساتھ احمدیت میں دلچسپی لینے لگا۔ اُس نے بتایا کہ جب دوسرے مسلمانوں کو علم ہوا اور بعض مولوی بھی وہاں آتے ہیں تو انہوں نے مجھے پورے زور سے روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت گندے ہیں اور خبیث لوگ ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ تم عیسائی رہو لیکن اُن کے جال میں نہ پھنسنا۔ کہتا ہے میں نے اُن کو بتایا کہ تمہیں پتا کیا ہے؟ میں اُن کو جانتا ہوں اگر کوئی شرافت، نجابت انسانی قدریں ہیں تو ان لوگوں میں ہیں۔ اگر مذہب یہ قدریں پیدا کرنے کے لئے نہیں آتا تو مجھے ایسے مذہب میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو تم اپنی دلیلیں اپنے پاس رکھو۔ میں نے تو جن کا ہونا تھا ہو چکا ہوں چنانچہ وہ بڑے خلوص کے ساتھ اور محبت کے ساتھ مجھے ملنے کے لئے آئے اور کہا کہ اب میں کل واپس جیل جاؤں گا اور میرا بقیہ جتنا عرصہ وہاں بسر ہوگا میں نے احمدیت کی تبلیغ کے لئے وقف رکھنا ہے تو قیدی ہوں یا اور کئی قسم کے مریض اور بیمار اور گندی عادتوں میں مبتلا اور ڈرگز (Drugs) میں پھنسے ہوئے ہیں اور کئی قسم کی مشکلات میں گرفتار لوگ ایسے ہیں کہ جن کے اندر اگر آپ دلچسپی لیں گے اور دلچسپی لیتے ہی پیغام نہیں دیں گے بلکہ دلچسپی لیتے ہوئے ان کی ایسی بھلائی کے انتظام کریں گے جس میں ان کو دلچسپی ہو تو پھر وہ منزل آئے گی کہ وہ آپ میں اور آپ کے پیغام میں دلچسپی لینے لگیں گے۔ ان کے اندر وہ طلب پیدا ہوگی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کو خدا تعالیٰ وہ پرندے عطا کرے گا جنہیں ابراہیمی طیور کہہ سکتے ہیں جو آپ کے ہو جائیں گے۔ پھر جس ماحول میں بھی جائیں گے آپ کی ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ آپ کے قدموں میں یا آپ کی جھولی میں آجایا کریں گے۔ آپ کے ہاتھوں پر بیٹھ جایا کریں گے۔ آپ کے ہو جائیں گے اور خدا کے ہو جائیں گے۔ یہ وہ نیّت ہے جس کو لے کر آپ نے دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہے۔

اس ضمن میں میں آپ کو ایک دلچسپ حدیث سناتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ

فرمایا کہ مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ حدیث حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی اور اس کی کوئی سند نہیں ملتی تھی۔ میاں انس احمد صاحب کو علمی شوق ہے آخر انہوں نے ایک کتاب سے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں لیکن صحیح کتاب ہے جو مؤقر کتاب ہے سے اس سند کو تلاش کر کے مجھے بھجوایا۔ جب میں نے اس حدیث پر غور کیا تو مجھے تعجّب ہوا کہ عمل جو نیک نیتی کے ساتھ کیا جائے وہ بہرحال بہتر ہوتا ہے۔ خالی نیت عمل سے بہتر کیسے ہوگی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مضمون سمجھایا کہ اس میں گہری حکمت یہ ہے کہ مومن کی نیتیں جو دل کی گہرائی سے نکلتی ہیں بہت زیادہ نیک عمل کی خواہاں ہوتی ہیں اور کسی انسان میں یہ طاقت ہی نہیں کہ اپنی خواہشوں کے مطابق اپنی ہر نیّت کو عمل میں ڈھال سکے۔ اسی طرح بدلوگ بدی کی نیتیں بہت رکھتے ہیں لیکن کس بد کو توفیق ملتی ہے کہ وہ ہر بدی کر سکے اسی لئے تو غالب نے یہ کہا ہے کہ

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

یا رب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے (دیوان غالب صفحہ: ۳۴۶)

تو مومن کو نا کردہ وہ نیکیوں کی حسرت کی داد چاہئے اور کئی نیکیاں اُس کے دل میں ہوتی ہیں۔ نیّت میں موجود ہوتی ہیں لیکن انہیں وہ کر نہیں سکتا اور اس مضمون کو جب آپ احمدی زندگی پر اطلاق کر کے دیکھیں تو آپ کو کثرت سے ایسے احمدی دکھائی دیں گے جن کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ میں بھی روس میں تبلیغ کے لئے جاؤں، میں فلاں چندے میں حصہ لوں، وہ چند قدم بڑھ سکتے ہیں پورا کام نہیں کر سکتے ہیں۔ پس اس پہلو سے مومن کی نیتیں اس کے عمل سے بڑھ جاتی ہیں اور اس حدیث میں یہ خوشخبری ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ اُس کی اس نیت کا بھی ثواب دیتا ہے جو وہ کر نہیں سکا جسے وہ عمل میں نہیں ڈھال سکا۔ تو اپنی نیتوں کو خوبصورت اور حسین بنا دیں اور للہ وقف کر دیں۔ پھر دیکھیں کہ آپ کی دعوت الی اللہ میں کتنی برکت پڑتی ہے۔ خدا کرے کہ ہماری نیّتیں زیادہ سے زیادہ عمل کے سانچوں میں ڈھل سکیں اور جو نہیں ڈھل سکیں ان کو بھی خدا تعالیٰ قبول فرمالے اور ان کا ثواب مترتب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔